

حقائق کا سامنا کیجئے

قرآن مجید نے دو انقلاب نگاہ، بیچ زندگی یا طرز عمل بیان کئے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک یہ کہ ہر پیش آنے والے معاملہ یا دعویٰ کے متعلق وحی خداوندی کی روشنی میں علم و بصیرت کی روش سے غور و فکر کیا جائے اور اگر وہ حقیقت کے عیار (کتاب اللہ) پر پورا اترے تو اس کی صداقت کو قلب و دماغ کے کامل اطمینان کے ساتھ قبول اور تسلیم کر لیا جائے۔ صداقت کو اس طرح تسلیم کرنے کو، دین کی اصطلاح میں ایمان کہا جاتا ہے۔ اور عام الفاظ میں اسے حقائق کا سامنا کرنا کہتے ہیں۔ دوسرا انداز زندگی یہ ہے کہ جو کچھ ہوتا چلا آ رہا ہے اسے آنکھیں بند کر کے صمیم تسلیم کر لیا جائے۔ نہ اس پر عقل و بصیرت کی روش سے غور و فکر کیا جائے نہ وحی خداوندی کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا جائے۔ قرآن مجید نے اس روش زندگی پر چلنے والوں کو کالاً لعنم قبل فہر اصل (پہلے ہی لعن کر دیا ہے) قرار دیا ہے۔ یعنی حیوانی سطح پر زندگی بسر کرنے والے۔ اور ان کا ٹھکانا جہنم بتلایا ہے جب سے اسلام کی گڑی غیر اسلامی ٹیڑھی پر پڑی، ہم اسی روش پر گامزن چلے آ رہے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے ہماری اس بیچ زندگی کو بڑی شدت سے محسوس کیا اور ہزار جان سے جاؤ کہ کاروانِ ملت کو اس شاہراہ پر ڈال دیا جائے جو اسے حقیقی اسلام کی منزل تک لے جائے۔ اس کے لئے انہوں نے (بطور قمر اول) ہندی مسلمانوں کے لئے اپنی آزاد مملکت کا تصور پیش کیا۔ تاکہ ان کے الفاظ میں (اسلام پر سے اس غیر اسلامی قشر (چھلکوں) کو اتار کر جو ہمارے اور ملکیت میں اس پر تہ بہ تہ جم گئے تھے، پھر سے اصل اسلام کو زندہ حقیقت بنادیا جائے۔ اس کا طریق وہی تھا جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ یعنی جو کچھ اسلام کے نام سے متواتر چلا آ رہا ہے اس کے ایک ایک عنصر (معتقدات، نظریات، آئین و نظام، احکام و قوانین وغیرہ) پر عقل و بصیرت کی روش سے غور و فکر کیا جائے اور قرآن مجید کی روشنی میں ان کا جائزہ لے کر جو کچھ اس معیار پر پورا اترے اسے حتیٰ و صداقت تسلیم کر لیا جائے اور جو اس کے خلاف ہوا اسے مسترد کر دیا جائے۔ علامہ اقبالؒ کے اس تصور کو رد و بہل لانے کا نام تحریک پاکستان تھا جو قائد اعظمؒ کے زیرِ سیادت پردان چڑھ رہی تھی۔

جس دوسرے مسلک یا بیچ زندگی کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، اس کے حاملین کی طرف سے اس تحریک کی نفی تھی۔ انگریز نے اپنے عہدِ حکومت میں مسلک یہ اختیار کیا تھا کہ مسلمانوں (بلکہ جملہ اہل مذاہب) کو ان کے معتقدات، عبادات اور شخصی قوانین کی آزادی دی جائے اور امورِ مملکت میں انہیں دخل انداز نہ ہونے دیا جائے۔ ہندوستان کی تحریک آزادی کے دوران ہندو نے بھی یہی مسلک اختیار کیا اور کہا کہ حصول آزادی کے بعد مسلمانوں کو مذہب کے معاملہ میں وہی آزادی حاصل رہے گی جو انہیں انگریز کے زمانے میں حاصل تھی، اور امورِ مملکت جمہوری انداز سے سرانجام پائیں گے۔ ہمارے مذہب پرست طبقہ نے کہا کہ اس سے اسلام کا منشا و پورا ہو جاتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے کسی آزاد مملکت کی ضرورت نہیں۔

تحریک پاکستان کی جنگ و حقیقت انہی دو نقطہ نگاہ یا مسلک کی جنگ تھی۔ اول الذکر نقطہ نگاہ کا پیانہ اقبالؒ حصول پاکستان سے پہلے ہی راہِ ملک تھا ہو گیا۔ اور اس کا شمع بردار قائد اعظمؒ اس کے تصور سے عرصہ بعد ہم سے رخصت ہو گیا۔ الی کے بعد اسلام کی نائندگی ان لوگوں کے حصے میں آگئی جو دوسرے نقطہ نگاہ کے حامل تھے یعنی اس نقطہ نگاہ کے حامل کہ اسلام

کے نام سے جو کچھ ہوتا چلا آ رہا ہے اس میں کبھی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اور جب اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا تو اس پر غور و فکر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اتنا بھی نہیں کہ قرآنی عہد کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا جائے یا یہ دیکھا جائے کہ وہ موجودہ دور میں (اور خود مسلمانوں کی موجودہ حالت میں) قابل عمل بھی ہے یا نہیں۔

جیسا کہ کہا جا چکا ہے اول الذکر فقط نگاہ کے حاملین حصول پاکستان کے بعد ہم میں موجود نہ رہے لیکن طلوع اسلام اپنے اس نکت اور سعادت پر جس قدر بھی یاد کرے کم ہے کہ اس کی ناسمجھی اس کے حصے میں آئی۔ وہ گزشتہ تیس سال سے اپنی بساط کے مطابق اس پیغام کو عام کئے جا رہا ہے اور مخالفوں کے لاکھ جھگڑوں کے باوجود اپنے اس نکتے سے دینے کو روشن رکھے چلا آ رہا ہے۔ اس کے لئے وہ نہ کہہ سکتا تھا کہ اس کا ستمی ہے نہ صلہ کا امیدوار۔ یہ اسے فریضہ فداوندی کے طور پر یاد آ کر رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فریضہ کی ادائیگی میں تحسین و ستائش یا اجر و معاد صہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس نے ہر تجویز، ہر تحریر، ہر دعویٰ، ہر مطالبہ کے سلسلہ میں قوم سے ایک ہی استدعا کی — اور وہ یہ کہ حقائق کا سامنا کرنے کی جرأت پیدا کیجئے۔ ان سے آنکھیں چرا کر آگے بڑھ جانے کی کوشش نہ کیجئے۔ اس لئے کہ حقائق اپنے مقام پر آمل ہوتے ہیں اور جو قوم ان سے آنکھیں چرا کر گمراہ ہوتی ہے، وہ تباہ ہو جاتی ہے۔ یہ فطرت کا آمل قانون ہے اور خدا کے متعین فرمودہ قوانین فطرت میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا (۳۳) آج کی نشست میں ہم ان حقائق میں سے، جنہیں ہم نے قوم کے سامنے پیش کیا تھا چند ایک بطور مثال پیش کرتے ہیں، یہ بتانے کے لئے کہ قوم نے جب ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں، تو اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

(۲۰)

تشکیل پاکستان کے فوری بعد ان حضرات کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ پاکستان میں :-

کتاب سنت

(۱) شخصی قوانین ہر فرقہ کے اپنے اپنے ہوں۔ اور

(۲) پبلک لاز کا صابطہ کتاب و سنت کے مطابق مرقون کیا جائے۔

طلوع اسلام نے کہا کہ یہ دونوں مطالبات حقائق کے خلاف ہیں۔ دنیا جذبات سے انگ ہو کر، قرآنی عہد کی روشنی میں علم و بصیرت کی روش سے ان کا جائزہ لیجئے اور یہ دیکھ لیں کہ آیا یہ (۱) اسلام کے مطابق بھی ہیں اور (۲) آیا، موجودہ دور میں یہ ممکن العمل بھی ہیں؟ اس کی تفصیل میں جاتے ہوئے ہم نے کہا کہ جہاں تک پبلک مطالبہ کا تعلق ہے :-

(۱) قرآنی عہد کی روش سے شخصی قوانین اور پبلک لاز کی تفریق غیر اسلامی ہے۔ یہ تفریق ہمارے دور ملکیت کی ایجاد ہے جب حکومت نے دنیاوی امور کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور مذہبی معاملات کو مذہبی پیشوائیت کے حوالے کر دیا تھا۔ اسلامی مملکت میں اس قسم کی ثنویت (DUALISM) کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اس قسم کی تقسیم سیکور نظام میں ہوتی ہے۔

(۲) قرآنی کریم کی روش سے ساری کی ساری امت، ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے۔ اس نے امت میں فرقوں کے وجود کو شرک قرار دیا ہے (۳۳) ہر فرقہ کے اپنے اپنے شخصی قوانین کے معنی امت میں فرقوں کے وجود کی گڑھوں کو مضبوط ترین کر دینا ہیں (قائد اعظم کے الفاظ میں) جب امت کا خدا ایک، رسول ایک، قرآن ایک ہے، تو امت بھی ایک کیوں نہ ہو؟

(۳) اب آئیے پبلک لاز کی طرف۔ پبلک لاز سے مراد وہ قوانین ہوتے ہیں جن کا اطلاق ملک کے تمام باشندوں (اسلامی مملکت میں) کم از کم تمام مسلمانوں پر یکساں ہوتا ہو۔ ہم نے کہا کہ کتاب سنت کی روش سے پبلک لاز کا کوئی ایسا صائبہ بطور تب نہیں ہو سکے گا جسے تمام فرقوں کے مسلمان متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کریں۔ اپنے اس دعویٰ کی تائید میں ہم نے طبری تفصیل اور شریح کے ساتھ مسلمانی اور متواتر لکھا۔ اس سلسلہ

میں جو دلائل ہم نے پیش کئے، وہ مختصراً حسب ذیل تھے۔

(۱) "کتاب و سنت" میں کتاب (قرآن مجید) کا لفظ محض تبرکاً رکھ لیا گیا ہے۔ عملاً تمام احکام شریعت کے متعلق دعوئے یہ ہے کہ وہ (باواسطہ یا بلاواسطہ) سنت پر مبنی ہیں۔ حتیٰ کہ ہماری شریعت میں ایسے احکام بھی ہیں جو صریحاً قرآن مجید کے خلاف ہیں۔ اس کے جواز میں کہا جاتا ہے کہ سنت، قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے۔

(۲) سنت کے متعلق ہم نے کہا تھا کہ اس کی تفصیلات تو ایک طرف، اس کے مفہوم تک میں بنیادی اختلاف ہے۔ ایک طبقہ کے نزدیک، سنت، احادیث ہی کا دوسرا نام ہے۔ یعنی ہر حدیث سنت رسول اللہ ہے۔ دوسرے طبقہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر حدیث، سنت نہیں۔ سنت، حضور کے اس عمل کو کہا جائے گا جسے آپ نے یہ حیثیت رسول سرانجام دیا ہو۔ چونکہ احادیث کے مجموعوں میں اس کی کہیں تصریح نہیں کہ حضور نے قائل کام یہ حیثیت رسول کیا تھا اور قائل کام اپنی شخصی حیثیت سے، اس لئے اس کا نعتیں میں خود کرنا ہوگا۔ اس موضوع پر سید ابوالاعلیٰ مودودی (مرحوم) اور اس زمانہ کے جمیعت المدینہ کے صدر، مولانا محمد اسماعیل (مرحوم) میں دلچسپ بحث چلی تھی۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے۔ مولانا اسماعیل مرحوم کی طرف سے شائع کردہ کتابچہ "تجارت اسلامی کا نظریہ حدیث" اور مودودی مرحوم کی کتاب "تفہیمات" اور رسائل و رسائل) ظاہر ہے کہ جس بنیاد کا مفہوم تک متعین نہ کیا جاسکتا ہو، اس پر قوانین مملکت کی عمارت کس طرح استوار ہو سکتی ہے؟

(۳) قرآن کریم ایک متعین اور معلوم کتاب ہے جسے تمام مسلمان کتاب اللہ مانتے ہیں۔ لیکن تمام عالم اسلام میں کوئی ایسی کتاب نہیں جسے تمام مسلمان سنت رسول اللہ کا مستند اور متعلق علیہ مجموعہ تسلیم کرتے ہوں۔ ہر فرقہ کی "سنت" الگ الگ ہے۔ یعنی الگ الگ حدیثیں۔ اور الگ الگ کی بھی یہ کیفیت کہ (مثلاً) اہل حدیث حضرات کے نزدیک، بخاری اور مسلم کی کسی ایک حدیث کا انکار بھی انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ اور حنفی حضرات، بخاری اور مسلم کی کم از کم دس حدیثوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ (مثلاً) کیفیت یہ ہے کہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کو اسلام کے بنیادی ستون کہا جاتا ہے۔ زکوٰۃ کی بات بعد میں آئے گی (صلوٰۃ زمانہ) کی کیفیت یہ ہے کہ ہر فرقہ کی غازی، دوسرے فرقوں کی غاند سے اختلاف ہے۔ اور ہر فرقہ اپنی نماز کو احادیث کے مطابق ثابت کرتا ہے۔ اس اختلاف کی شدت کا یہ عالم ہے کہ ایک فرقہ کے پیرو، دوسرے فرقہ والوں کے ساتھ مل کر نماز نہیں پڑھتے، اور مسجدوں کی تخصیص پر مختلف فرقوں میں آئے دن فساد ہوتے رہتے ہیں۔

بیس برس تک طلوع اسلام اپنی اس پکار کو دہراتا رہا کہ "کتاب و سنت" کی روش سے پبلک لانڈ کا کوئی ایسا ضابطہ مرتب نہیں ہو سکتا جسے تمام فرقے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ ان حضرات میں سے کسی نے طلوع اسلام کی کسی دلیل کی تردید نہ کی۔ بیس برس کے بعد، مودودی (مرحوم) کو طلوع اسلام کے اس دعویٰ کو تسلیم کرنا پڑا کہ کتاب و سنت کی روش سے پبلک لانڈ کا کوئی ایسا ضابطہ مرتب نہیں کیا جاسکتا جسے تمام فرقے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ (حوالہ کے لئے دیکھئے ہفت روزہ ایٹیا۔

بات ۲۲ اگست ۱۹۸۰ء)

(۱)

اس اعتراف کے بعد مودودی (مرحوم) نے کہا کہ اس کے بجائے فقہ حنفی کو ملک میں، مملکت کے قانون کی حیثیت سے نافذ کر دیا جائے۔ طلوع اسلام نے اس پر بھی قوم کے سامنے حقائق کا آئینہ دکھا اور کہا کہ یہ تجویز، نہ صرف دین

فقہ

کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے بلکہ ناممکن العمل بھی ہے۔ اس نے اختصاراً کہا:-

(۱) فقہ کی صحیح پوزیشن سمجھنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ قانون سازی کے سلسلہ میں قرآن مجید کا موقف کیا ہے۔ قرآن کریم، تمام نوع انسان کے لئے ہمیشہ کے لئے ضابطہ زندگی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ انسانی ضروریات اور تقاضے جامد نہیں رہتے۔ یہ حالات اور زمانے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ جس ضابطہ کو عالمگیر انسانیت کے لئے تمام زمانوں کے لئے ابدی راہ نمائی کا کام دینا ہے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ اس میں نوع انسان کے بدلتے رہنے والے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے تبدیلی کی گنجائش ہوتی۔ اس بنیادی تقاضا کے پیش نظر، قرآن مجید نے، بجز چند متعین احکام، زندگی کے لئے اصول اور اقدار دیئے ہیں۔ احکام و قوانین کی جزئیات خود ہی متعین نہیں کر دیں۔ اس نے کہا ہے کہ یہ اصول اور اقدار ان حدود و کام دیں گی جن کے اندر رہتے ہوئے ہر زمانہ کی اسلامی مملکت اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزئیات خود متعین کرے۔ قرآن مجید کے اصول و اقدار کو ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے لیکن ان کے اندر رہتے ہوئے مدون کردہ جزئیات، بدلتے رہنے والے حالات کے مطابق بدلتی رہیں گی۔ نیت (PERMANENCE) اور تغیر (CHANGE) کے اس حسین امتزاج سے، قرآنی نظام، نوع انسان کی ارتقائی منازل کا ساتھ دیتے ہوئے آگے بڑھتا چلا جائے گا۔

اس نظام کی اس خصوصیت کو سمجھنے کے لئے (مثال کے طور پر) ملک کے میدان کو سامنے لائیے۔ اس میدان کے چاروں طرف ایک نمایاں لکیر کھینچ کر اسے محدود کر دیا جاتا ہے۔ میدان کے اندر دو چار جگہ خصوصی نشانات لگا دیئے جاتے ہیں اور دونوں ٹیموں کے لئے گول (نصب العین) متعین کر دیا جاتا ہے۔ ان حدود کے اندر رہتے ہوئے، اور ان ضوابط کی پابندی کرتے ہوئے جو اس کھیل کے لئے متعین کئے جاتے ہیں، ٹیم اور ٹیم کا ہر کھلاڑی آزاد ہوتا ہے کہ وہ اپنی صدا بدید کے مطابق، گیند کو گول کے اندر پہنچا دے۔ ان کھلاڑیوں میں سے جو شخص کھیل کے قواعد و ضوابط سے اچھی طرح واقف اور اپنی ٹیم کے کھلاڑیوں کے مزاج اور صلاحیتوں پر نگاہ رکھتا ہو، اسے ٹیم کا کپتان مقرر کر دیا جاتا ہے۔ یہ کپتان بھی ان قواعد و ضوابط کا باقی کھلاڑیوں کی طرح پابند ہوتا ہے۔ اس کا فریضہ کھلاڑیوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنا ہوتا ہے۔

اس مثال سے اسلام کے نظام قانون سازی کا اصول سمجھ میں آجائے گا۔ ہر دور کی اسلامی مملکت کا فریضہ یہ طے کرنا ہوگا کہ قرآن کریم کے ابدی اور غیر متبدل اصول و اقدار کو کس طریق سے نافذ کیا جائے۔ اس طریق کا یا (پروگرام) کی جزئیات، کو احکام شریعت یا فقہی قوانین کہا جاتا ہے۔ (ضمناً) لفظ شریعت کے معنی اس راستے کے ہیں جو بہتے پانی کے گھاٹ کی طرف لے جائے۔ اس میں آبِ رواں یا بہتے پانی (ندی) کی شرط غور طلب ہے۔ زندگی اگر کسی مقام پر ساکن یا جامد ہو جائے تو وہ ندی نہیں رہتی اس لئے اس قسم کے ساکن پانی زنا قابل تغیر قوانین کی طرف لے جانے والے راستے کو "شریعت" کہا ہی نہیں جاسکے گا۔ باقی رہی فقہ، سو اس کے معنی ہیں غور و تفکر کے بعد کسی حل پر پہنچنا۔ اگر فقہ میں تفقہ (غور و فکر) کی گنجائش نہ رہے تو وہ فقہ کہا نہیں سکتی۔ ان تصریحات سے واضح ہے کہ کسی زمانے کے مدون کردہ قوانین فقہ ہمیشہ کے لئے غیر متبدل قرار نہیں پاسکتے۔ یہ اس زمانے کے لئے جس میں یہ مدون ہوئے تھے، قوانین شریعت کہلا سکتے تھے۔ انہیں بعد کے زمانے والوں پر علیٰ حالہ مسلط کرنا، نہ اسلام کا منشا تھا، نہ ان مقتضیوں کا مقصد جنہوں نے انہیں مدون

کیا تھا۔ چونکہ یہ بعد کے بدستے ہوئے تقاضوں کو پورا کر ہی نہیں سکتے۔ اس لئے ناممکن العمل ہوتے ہیں۔ (اس کی مثالیں آگے چل کر سامنے آئیں گی) قرآن مجید نے غیر متبدل حرف کلمت اللہ (قوانین خداوندی) کو قرار دیا ہے۔ (۱۶۶) انسانوں کے وضع کردہ قوانین کو غیر متبدل قرار دینا انہیں مقام الوہیت عطا کر دینا ہے جو شرک ہے۔ ابدیت اسی کے احکام کو حاصل ہو سکتی ہے جو خود ابدی ہو۔

(۱)

جب یہ تجویز کیا گیا تھا کہ پاکستان میں فقہ حنفی (بطور پبلک لاز) نافذ کر دی جائے تو ہم نے اس کے خلاف مذکورہ صدر پہلا اور بنیادی اعتراض کیا تھا۔ اب دوسرے اعتراض کی طرف آئیے۔

(۱) مسلمانوں میں متعدد فرقے ہیں اور ہر فرقے کی فقہ اپنی اپنی ہے۔ ایک فرقہ نہ کسی دوسرے فرقہ کی فقہ کو اسلامی تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے، نہ ہی اپنی فقہ میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کے لئے آمادہ۔ اندریں حالات، کسی ایک فرقہ کی فقہ کو، دوسرے فرقوں پر مسلط کرنا، اور ان سے کہنا کہ وہ، اسلامی قوانین کی حیثیت سے اس کی اطاعت کریں، مذہب میں جبر ہوگا جسے کوئی بھی بطیب خاطر قبول نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس تجویز کے خلاف (کہ ملک میں فقہ حنفی نافذ کر دی جائے) سب سے پہلے شیعہ حضرات نے حدائے احتجاج بلند کی۔ اس کے بعد، اہل حدیث نے یہ کہہ کر اس کی مخالفت کی کہ ہم تو فقہ کے مسلک ہی کو غیر اسلامی سمجھتے ہیں (خواہ وہ کوئی فقہ ہو) اس لئے ہم فقہی قوانین کو کس طرح اسلامی تسلیم کریں گے۔

اس وقت یہ ہمیشہ محض نظری تھیں۔ اس کے بعد ان فقہی قوانین کی پہلی قسط "قوانین حدود" (سزائوں سے متعلق قوانین) کی شکل میں، ۱۹۷۹ء میں ملکی قوانین کی حیثیت سے نافذ کی گئی۔ یہ قوانین کس قدر ناممکن العمل تھے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ان قوانین کے ساتھ ہی (انگریزی زمانہ کے) مروجہ قوانین بھی شائع کر دیئے گئے اور کہہ دیا گیا کہ جو مقدمات قوانین حدود کی زد سے فیصل نہ ہو سکیں، ان کا تصفیہ مروجہ قوانین کی زد سے کر دیا جائے۔ چنانچہ، اس تمام زمانے میں، قوانین حدود میں سے کوئی ایک قانون بھی نافذ العمل نہ ہو سکا۔

یہ قوانین ہیں کس قسم کے، اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ

(۱) جرم زنا کے ثبوت کے لئے شرط یہ ہے کہ چار مسلمان متفق۔ پرہیزگار گواہوں نے "عمل دخول"..... (ACT OF PENETRATION) کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ جن لوگوں کی آنکھوں پر عقیدہ تھا کہ رنگین چشمے ہیں، ان سے تو ہارا خطاب نہیں۔ لیکن جو حضرات واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوں، ہم ان سے عرض کریں گے کہ وہ سوچیں کہ اسی قسم کے قانون کے متعلق (ہم تو ایک طرف) دنیا کیا کہے گی؟ لیکن یہ قانون، ہمارے ہاں اسلامی قانون کی حیثیت سے نافذ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ صرف کاغذ پر ہی ثبت ہے عمل اس پر آج تک نہیں ہو سکا۔ نہ کبھی ہو سکے گا۔

(۲) ان قوانین کی زد سے، شادی شدہ اشخاص کے لئے جرم زنا کی سزا رجم ہے۔ یعنی مجرم کو زمین میں گاڑ کر، اسے پتھر بار بار مار کر ہلاک کر دینا۔ یہ سزا قرآن کریم کے یکسر خلاف ہے۔ اس میں کہیں یہ سزا مقرر نہیں کی گئی۔ یہ غنیمت

ہے کہ جرم زنا کے ثبوت کے لئے جس بشرط کا شق (۱) میں ذکر کیا گیا ہے، اس کی ٹروسے، اس جرم کی شرعی سزا کا موقعہ ہی نہیں آئے گا۔ بایں ہمہ یہ قانون بھی بحیثیت اسلامی قانون ہمارے ہاں نافذ ہے۔

(۰)

زکوٰۃ

۱۔ حدود کے بعد، حال ہی میں زکوٰۃ کے متعلق قوانین نافذ کئے گئے ہیں۔ قرآن کریم میں تو اس قسم کی زکوٰۃ کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ سنت رسول اللہ اور فقہ کی ٹروسے زکوٰۃ کے متعلق جو جزئیات و نصاب مدت وغیرہ متداول علیٰ اکثر ہی تھیں، یہ قوانین ان کے بھی خلاف ہیں۔ یہ قوانین ایک عرصہ تک، اسلامی نظریاتی کونسل کے زیر تدوین اور حکومت کے وزارت قانون کے زیر غور رہے، لیکن ان کی ملکیت کی کیفیت یہ ہے کہ (۱) پہلے اجرائی میں نصاب کی شرح ایک ہزار روپیہ مقرر کی گئی اور دو تین دن بعد اسے بڑھا کر تین ہزار کر دیا۔ اور اس کے لئے دلیل یہ دی گئی کہ زکوٰۃ کا نصاب پچاس تو لے چاندی ہے، اور پچاس تو لے چاندی کی قیمت آجکل قریب تین ہزار روپیہ ہوتی ہے۔ اس لئے نصاب یہ ہونا چاہیئے۔ (ضمناً) نصاب زکوٰۃ، پانچ تولہ سونا بھی ہے۔ جس کی مرقہ قیمت چودہ ہزار روپیہ ہوتی ہے۔ معلوم نہیں اسے نصاب کیوں نہیں تسلیم کیا گیا؟ (۲) پہلے حکم کی ٹروسے، ہر رقم پر جو ہزار روپیے سے زائد تھی، زکوٰۃ وضع کی گئی۔ اس کے بعد کہا گیا کہ زکوٰۃ درحقیقت اس مال پر واجب ہوتی ہے جو صاحب نصاب کے قبضہ میں سال بھر تک رہا ہو۔ اس لئے، ہزار روپیے سے زائد ہر رقم پر زکوٰۃ وضع کن نامائز نہیں تھا۔ یہ اسی رقم پر واجب تھی جو صاحب نصاب کی ملکیت میں سال بھر تک ہی ہو۔ (۳) پہلے حکم میں بہت سی مدت کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔ اب، اسلامی نظریاتی کونسل کے (جدید) حیرت انگیز ترمیمیں الزامی صاحب فرما رہے ہیں کہ ان میں اکثر مدت ایسی ہیں جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ یہ ان کی ذاتی رائے ہے۔ یعنی اسلامی قوانین کے لئے کسی سند کی ضرورت نہیں۔ یہ اشخاص کی ذاتی رائے کے تابع وضع ہوتے ہیں۔ (اس کی تفصیل ہم نے ایک اور مقالہ میں دی ہے)۔ جب ہم اپنی فقہ میں ایسے قوانین دیکھتے تھے جو قرآن مجید کے بھی خلاف تھے اور علم و بصیرت کے بھی خلاف، تو سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس قسم کے قوانین وضع و مرتب اور نافذ کیسے ہو گئے، اب یہ عقہ بھی حل ہوتا جا رہا ہے۔

(۰)

جو کچھ ہم نے سابقہ صفحات میں لکھا ہے، آپ نے غور فرمایا کہ اس سے کون سے حقائق ہمارے سامنے آئے ہیں؟ یہ حقائق کہ (۱) پہلے کہا گیا کہ ہر فرقہ کے لئے شخصی قوانین اپنے اپنے ہوں اور پبلک لاز، کتاب و سنت کی ٹروسے مرتب کئے جائیں۔ بیس سال تک اس ناممکن العمل مطالبہ پر زور دیا جاتا رہا۔ (۲) بیس سال کے بعد کہا گیا کہ کتاب و سنت کی ٹروسے پبلک لاز کا کوئی ایسا ضابطہ وضع نہیں کیا جاسکتا جسے تمام فرقے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ اس لئے اس خیال کو چھوڑ کر، ملک میں فقہ حنفی نافذ کر دی جائے۔ اور (۳) فقہ حنفی کے نفاذ کے اولین مرحلہ پر ہی یہ حقیقت سامنے آئی کہ اس کی ٹروسے بھی پبلک لاز کا کوئی ایسا ضابطہ وضع نہیں کیا جاسکتا جو تمام فرقوں کے نزدیک اسلامی ہو۔ ہمارے قدامت پسند طبقہ کے نزدیک، اسلامی قوانین کے یہی دو نافذ تھے، سورۃ ناکام رہ گئے۔ اب اس کے

بعد کیا؟ — یہاں حقائق کا سامنا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

آپ نے غور فرمایا ہے کہ مملکت پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے کے سلسلہ میں ہم کس مقام پر پہنچ گئے، یا پہنچائے جا رہے ہیں؟ اسی مقام پر جہاں مطالبہ پاکستان کے مخالفین کھڑے تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ

(۱) متحدہ (آزاد) ہندوستان میں مسلمانوں کو شخصی قوانین کی آزادی حاصل ہوگی۔

(۲) باقی رہے پبلک لاز، سوال کے لئے اس کے سوا کوئی صورت ہی نہیں کہ انہیں جمہوری طریقہ سے وضع کیا جائے۔

پاکستان میں جو کچھ اسلام کے نام سے چل رہا ہے اس سے ہم بتدریج اس مقام تک پہنچ جائیں گے۔ اور جب ہم اس مقام پر پہنچ جائیں گے تو اس سے ہماری نوجوان نسل کا یہ خیال، ایک حقیقت بن جائے گا کہ متی و ہندوستان میں میٹسٹ مسلمان (یا ہندو) صحیح کہتے تھے کہ مسلمانوں کو جداگانہ مملکت کی ضرورت کیا ہے اور تعادری مشرکانہ دھرم تک نے بھی یہ کہہ دیا تھا کہ اگر سٹر جناح، پاکستان کو اسلامی مملکت بنالے کا خیال ترک کر دیں تو ہمارے اور ان کے اختلافات ختم ہو جائیں گے۔ ہماری نئی نسل کے اس سوال کا کہ ہم نے پاکستان بنا کر حاصل کیا کیا ہے؟ ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز تو یہی تھی کہ ہم اسے اسلامی بنانا چاہتے ہیں۔ اگر اسلامی بن نہیں سکتی تو پھر اس کے ہندوستان سے علیحدہ رہنے کی وجہ جواز کیا ہوگی؟

اس مقام پر آپ کے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ پھر اس مشکل کا حل کیا ہوگا۔ اس کا حل وہی ہوگا جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یعنی قرآن مجید کی غیر متبدل حدود کے اندر رہتے ہوئے، اپنے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق جزئی قوانین خود وضع کرنے جائیں۔ اگر آپ کہیں کہ فضا اور ریایات کو غیر متبدل دین سمجھنے والے اس کے لئے تیار نہیں ہوں گے..... تو پھر ہمیں اس کے لئے تیار رہنا چاہیے کہ یہاں بھی ایسی حکومت قائم ہو جائے جیسی دنیا کے عام ممالک میں ہے۔

(۱)

معراجِ انسانیّت

سیرت صاحبِ قرآن اعلیٰ التّحیۃ والسلام عودِ قرآن کے آئینے میں منعکس قرآن کا بلند پایہ شاہکار عقل و عشق، فکر و نظر، دل اور دماغ کا حسین استنجا۔ اس سیرتِ طیبہ کے مطالعہ سے

مقامِ محمدی — اور — انقبلا محمدی نکھر کر سامنے آجاتے ہیں

حسن معنوی کے ساتھ صوری پکیزگی بھی دیدہ زیب، بڑی تقطیع و اعلیٰ درجہ کا سفید کاغذ۔ ضخامت پانصد صفحات۔ کتابت طباعت نوری۔ جلد مضبوط اور دلکش

مخلفہ کا پتہ

قیمت

۳۵ روپے (علاوہ موصولہ ٹاک)

مکتبہ دین و دانش چوک اردو بازار لاہور * ادارہ طلوع اسلام پری گلیبرگ لاہور